Journal of Religion & Society **(JR&S)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

Verses of Divine Attributes and Mutashabihat in the Holy Quran and Their Correct Interpretation

قرآن حکیم میں آیات صفات متشابہات اوران کا صحیح محمل

Muhammad Usama
MPhil Scholar, Bahauddin Zakariya University, Multan, Department of Islamic Research Centre
Khatib, DHA Multan
mu03005326555@gmail.com
Professor Dr. Altaf Hussain Langrial
Director, Institute of Islamic Studies, Bahauddin Zakariya University, Multan
altaf.langrial@bzu.edu.pk

Abstract

The Holy Quran is the sacred and unaltered Word of Allah, offering guidance, direction, and a comprehensive explanation of the perfect religion for all humanity. It clearly and wisely presents various aspects of Allah's essence, attributes, and actions. However, the Quran also contains certain verses known as Mutashabihat, meaning those verses whose apparent meanings transcend human intellect or the usual linguistic understanding, leading scholars from different schools of thought to offer diverse interpretations.The Divine Attributes refer to those essential qualities inherently belonging to Allah's Being, such as knowledge, power, life, will, and so forth. The Quran explicitly mentions these attributes in various verses. Yet, there are also verses that describe Allah's attributes using human terms, such as Allah's "Hand," "Eye," "Face," and similar expressions. The interpretation of these verses is complex because if these attributes are taken literally as human attributes, it challenges the principle of Tawhid (Divine Oneness). On the other hand, if they are understood entirely metaphorically, the clarity and sanctity of the Quran might be compromised.Different Islamic theological schools, including the Mu'tazilah, Maturidiyyah, and Ash'arites, have presented distinct views on the interpretation of Divine Attributes to preserve the purity of monotheism while honoring the Quranic text. For example, the Mu'tazilah consider Divine Attributes as created to avoid any anthropomorphism,

whereas the Maturidiyyah and Ash'arites regard these attributes as essential and uncreated but emphasize allegorical or metaphorical interpretations. To understand the Mutashabihat verses properly, scholars have developed principles of Tafsir (exegesis) and Ta'wil (interpretation) to extract the correct meaning within the limits of reason and scripture. These principles stress that the Divine Attributes should neither be taken in a physical sense nor should their meanings contradict reason. Instead, a balanced and moderate interpretation consistent with the spirit of the Quran and Sunnah is required. This issue is not only central to theological and doctrinal discussions but also holds profound significance in Islamic philosophy, Sufism, and jurisprudence. A proper understanding of the Quranic Attributes and the Mutashabihat verses is indispensable for a correct comprehension of Islam's fundamental beliefs, particularly Tawhid and Divine Attributes. Therefore, scholarly research, comparison, and authentic interpretation of this subject are essential for preserving doctrinal correctness and intellectual guidance for Muslims.

Keywords: *Attributes, Mutashabihat, Interpretation, Comprehensive, Indispensable, Interpretation.*

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا مقدس اور غیر متبدل کلام ہے جو تمام انسانیت کے لیے ہدایت، رہنمائی، اور کامل دین کی جامع تشریح فراہم کرتا ہے۔ اس میں خدا تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کے مختلف پہلوؤں کا بیان بہت واضح اور حکمت آمیز انداز میں موجود ہے۔ لیکن قرآن کی بعض آیات ایسی بھی ہیں جنہیں "متشابہات" کہا جاتا ہے، یعنی وہ آیات جن کا ظاہری مفہوم انسانی عقل یا زبان کے عام مفاہیم سے ہٹ کر ہے اور جن کی تشریح میں مختلف مکاتب فکر کے علماء نے مختلف آراء پیش کی ہیں۔ صفاتِ خداوندی سے مراد وہ خاص صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے لازماً متصف ہیں، جیسے علم، قدرت، زندگی، ارادہ، وغیرہ۔ قرآن ان صفات کو اپنی مختلف آیات میں واضح طور پر بیان کرتا ہے، مگر ساتھ ہی ایسی آیات بھی ہیں جن میں خدا کی صفات کو انسانی الفاظ میں تشبیہ دی گئی ہے، جیسے اللہ کا "ہاتھ"، "آنکھ"، "وجہ" وغیرہ۔ ان آیات کی تشریح کا مسئلہ اس لیے پیچیدہ ہے کہ اگر ان صفات کو انسانی صفات کی طرح لیا جائے تو اس سے توحید کے اصول پر سوال اٹھتا ہے، اور اگر انہیں مکمل مجازی یا استعارہ سمجھ لیا جائے تو قرآن کی صراحت و قدسیت متاثر ہو سکتی ہے۔ اسلامی عقیدہ اور کلام میں صفاتِ خداوندی کی تشریح کے حوالے سے مختلف مکاتب فکر سامنے آئے، جن میں معتزلہ، ماتریدیہ، اور اشاعرہ کی مخصوص آراء شامل ہیں۔ مثلاً، معتزلہ

صفاتِ خداوندی کو مخلوق سمجھتے ہیں تاکہ خدا کی ذات سے کسی بھی قسم کا شبہ نہ رہے، جبکہ ماتریدیہ اور اشاعرے صفات کو لازمی اور غیر مخلوق مانتے ہیں مگر ان کی تشریح میں تاویل اور metaphorical (تشبیہی) تفاسیر کو اہمیت دیتے ہیں۔ قرآن میں متشابہات کی آیات کو سمجھنے کے لیے علماء نے اصولِ تفسیر و تاویل وضع کیے ہیں تاکہ عقلی و شرعی حدود میں رہتے ہوئے قرآن کا صحیح مفہوم اخذ کیا جا سکے۔ ان اصولوں میں یہ بات اہم ہے کہ صفاتِ خدا کو نہ جسمانی شکل میں لیا جائے اور نہ ان کے مفہوم کو عقل کے خلاف سمجھا جائے بلکہ ایک معتدل اور متوازن تشریح دی جائے جو قرآن و سنت کی روح کے مطابق ہو۔ یہ مسئلہ نہ صرف کلامی و عقیدتی بحث کا مرکز ہے بلکہ اسلامی فلسفہ، تصوف، اور فقہ کی نظریاتی بنیادوں میں بھی اس کی گہری اہمیت ہے۔ قرآن کی صفات اور متشابہات کی آیات کا صحیح ادراک دین اسلام کے بنیادی عقائد، خصوصاً توحید اور صفاتِ خداوندی کے فہم کے لیے ناگزیر ہے۔ اس لیے اس موضوع پر علمی تحقیق، موازنہ اور مستند تفہیم دین کے عقیدے کی درستگی اور مسلمانوں کی فکری رہنمائی کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

> هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌؕ-فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ﳘ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ﯼ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖۙ-كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَاۚ-وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ[1]-
>
> ترجمہ: "وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری اس کی کچھ آیتیں صاف معنی رکھتی ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے وہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں گمراہی چاہنے اور اس کا پہلو ڈھونڈھنے کو اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔"

---

[1] القرآن، آل عمران، 3:7

The Qur'an, Aal-e-Imran, 3:7

- لفظ متشابہات جمع ہے متشابہ کی اور "متشابہ" کے لغوی معنی یہ ہیں کہ اس کے مختلف حصے ایک دوسرے کے شبیہ اور مانند ہوں، اسی وجہ سے ایسے جملے جن کے معنی پیچیدہ ہوں اور جن کے بارے میں مختلف احتمالات دئے جاسکتے ہوں ان کو "متشابہ" کہا جاتا ہے، اور قرآن کریم میں بھی یہی معنی مراد ہیں۔
- مُتَشَابِہٌ، یعنی وہ آیات جن کے ظاہری معنیٰ یا تو سمجھ ہی نہیں آتے جیسے حروفِ مقطعات ،یعنی بعض سورتوں کے شروع میں آنے والے حروف جیسے سورۂ بقرہ کے شروع میں "الٓمّٓ" ہے اور یا متشابہ وہ ہے جس کے ظاہری معنیٰ سمجھ تو آتے ہیں لیکن وہ مراد نہیں ہوتے جیسے اللہ تعالیٰ کے "یدٌ" یعنی "ہاتھ" اور "وَجۡہٌ" یعنی "چہرے" والی آیات۔ ان کے ظاہری معنیٰ معلوم تو ہیں لیکن یہ مراد نہیں، جبکہ ان کے حقیقی مرادی معنیٰ میں کئی احتمال ہوسکتے ہیں اور ان میں سے کون سا معنیٰ اللہ تعالیٰ کی مراد ہے یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی جانتا ہے یا وہ جسے اللہ تعالیٰ اس کا علم دے۔ پہلی قسم یعنی مُحۡکَمۡ کے بارے میں فرمایا کہ " یہ کتاب کی اصل ہیں، یعنی احکام شرعیہ میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور حلال و حرام میں انہیں پر عمل کیا جاتا ہے۔[2]

آیاتِ صفات ایسی آیاتِ متشابہات کو کہتے ہیں کہ جن کا معنی تو معلوم ہے لیکن ان کی مراد معلوم نہیں، جیسے جن آیات میں اللہ پاک کے لیے وجہ، ید وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں کہ ان کا ظاہری معنی تو چہرہ اور ہاتھ ہیں لیکن ان کی مراد معلوم نہیں ہے، کیونکہ اللہ پاک کی ذات کے لیے ان کا ظاہری معنی مراد نہیں لیا جاسکتا اور اللہ کریم کی ذات کے لیے وہ معنی مراد لینا، جائز نہیں ہوتا۔ ایسی آیات کو آیاتِ صفات کہتے ہیں۔ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ علم القراٰن میں فرماتے ہیں:"آیاتِ قرآنیہ تین طرح کی ہیں، بعض وہ جن کا مطلب عقل و فہم سے وَرا ہے، جس تک دماغوں کی رسائی نہیں، انہیں "متشابہات" کہتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو وہ ہیں، جن کے معنی ہی سمجھ میں نہیں آتے جیسے الٓـمّٓ، حٰمٓ، الٓرٰ، وغیرہ، انہیں "مقطّعات" کہا جاتا ہے۔ بعض وہ آیات ہیں جن کے معنی تو سمجھ میں آتے ہیں، مگر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کا مطلب کیا ہے، کیونکہ ظاہری معنی بنتے نہیں۔۔۔ "وجہ" کے معنی چہرہ۔ "ید" کے معنی ہاتھ۔ "استوا" کے معنی برابر ہونا ہے مگر یہ چیزیں رب کی شان کے لائق نہیں، لہٰذا متشابہات میں سے ہیں، اس قسم کی آیتوں پر ایمان لانا ضروری ہے، مطلب بیان کرنا درست نہیں اور دوسری قسم

---

[2] عطاری، محمد قاسم، مفتی، صراط الجنان فی تفسیر القرآن، مکتبہ المدینہ، کراچی، س،ن، ج:2، ص:545
Attari, Muhammad Qasim, Mufti. *Sirat al-Jinan fi Tafsir al-Qur'an*, Maktaba-tul-Madina, Karachi, n.d., Vol. 2, p. 545.

کی آیات کو "آیاتِ صفات" کہتے ہیں۔ بعض آیات وہ ہیں، جو اِس درجہ کی مخفی نہیں، انہیں قرآنی اصطلاح میں "محکمات" کہتے ہیں۔ملخصا[3]

جاوید احمد غامدی صاحب لکھتے ہیں آیات متشابہات سے مراد قرآن مجید کی وہ آیات ہیں جن میں جنت و دوزخ اور احوال غیب کی وہ تفصیلات بیان ہوئی ہیں جن کے سمجھنے کے لیے تمثیل و تشبیہ کے سوا اور کوئی طریقہ ہی نہیں ہے۔ جہاں تک آخرت کا تعلق ہے، اس کو اصولاً سمجھ لینا تو عقلاً ممکن ہے، لیکن آخرت کے عذاب و ثواب کی تفصیلات اور لوح، قلم، کرسی، عرش اور میزان وغیرہ جیسے حقائق کو سمجھانے کے لیے اس کے سوا اور کیا راستہ ہے کہ ہماری زبان کی تعبیریں ان حقائق کی تفہیم کے لیے استعمال کی جائیں۔ لیکن یہ تعبیرات، بہر حال، تمثیل و تشبیہ کی نوعیت کی چیزیں ہیں جن سے ان کا ایک تصور تو ہمارے سامنے آسکتا ہے، لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ بعینہ یہ حقائق ہمارے سامنے آگئے ہیں۔[4]

ان حقائق کے متعلق یہ کہنا کہ چونکہ یہ ہماری سمجھ اور احساس سے بالا ہیں، اس وجہ سے ان کے بیان کا سرے سے کوئی فائدہ ہی نہیں ہے، کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ اس میں تو شبہ نہیں کہ اس بیان سے ان حقائق کی حقیقت ہماری سمجھ میں نہیں آسکتی، لیکن ان کا ایک تصور ہمارے سامنے آتا ہے جس سے ہمارے علم میں بھی بڑا اضافہ ہوتا ہے اور ان کے اخلاقی اثرات بھی ہماری زندگیوں پر مترتب ہوتے ہیں، بشرطیکہ ہم ان پر اسی اجمال کے ساتھ ایمان لائیں جس اجمال کے ساتھ وہ بیان ہوئے ہیں۔ ان میں کوئی ٹیڑھ پیدا کرنے اور ان کی آڑ لے کر کوئی فتنہ اٹھانے کی کوشش نہ کریں۔ چنانچہ جن لوگوں کے علم میں پختگی ہوتی ہے، وہ اس طرح کی چیزوں کی زیادہ کھوج کرید میں نہیں پڑتے، بلکہ ان پر اجمالاً ایمان لاتے ہیں اور ان کی تفصیلات و کیفیات کے علم کو علم الٰہی کے حوالے کرتے

---

[3] گوہر الرحمن، مولانا، علم القرآن، مکتبۃ المدینہ، کراچی، س،ن، ص:26

Gohar-ur-Rehman, Maulana. *Ilm al-Qur'an*, Maktaba-tul-Madina, Karachi, n.d., p. 26.

[4] فورم محدث، [آن لائن]، دستیاب: https://forum.mohaddis.com، رسائی کی تاریخ: 12 مئی 2025، بوقت: 3:45 شام (پاکستان اسٹینڈرڈ ٹائم)

Forum Mohaddis, [Online], Available at: https://forum.mohaddis.com, Accessed on: May 12, 2025, at 3:45 PM (Pakistan Standard Time).

ہیں۔ امام مالک کے متعلق آپ نے شاید سنا ہو کہ ان سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر استواء کی کیا حقیقت ہے؟ تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ استواء معلوم ہے، لیکن اس کی کیفیت مجھول ہے۔

اسی پر ان ساری باتوں کو قیاس کر لیجیے جو احوال غیب اور احوال آخرت سے متعلق قرآن مجید میں بیان ہوئی ہیں۔ ان کی اصل کیفیات ہم یہاں، بلاشبہ، نہیں سمجھ سکتے، لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہمارے لیے ان کا تصور بھی بالکل غیر مفید ہے۔ ایک دیہاتی کے لیے ایک نادیدہ شہر کے عجائب و غرائب کی تفصیلات اس اعتبار سے اس کے علم سے مافوق ہی ہوتی ہیں کہ وہ اپنے پیمانوں سے ان میں سے کسی چیز کو بھی نہ ناپ سکتا ہے نہ تول سکتا ہے، لیکن یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ تفصیلات اس کے لیے بالکل ہی بے سود ہوتی ہیں۔

اسی پر قیاس غیب کے حالات و معاملات کو کیجیے، ان کے بیان کے لیے ہماری زبان ناقص ہے اور ان کے احاطہ کے لیے ہماری عقل محدود، لیکن اگر ایک چیز کا ہم احاطہ نہیں کر سکتے تو اس کے یہ معنی کب ہیں کہ اس کا ہم سرے سے کوئی تصور ہی نہیں کر سکتے۔ تصور کر سکتے ہیں تو یہ تصور ہمارے علم میں بھی اضافہ کر سکتا ہے اور اگر ہم اس کی قدر کریں تو، جیسا کہ ہم نے عرض کیا، اس سے ہمارے اخلاق کی بھی تربیت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اہل ایمان کے متعلق قرآن مجید میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ جب جنت کی نعمتیں آخرت میں ان کے سامنے آئیں گی تو وہ خوش ہو کر کہیں گے کہ یہ تو وہی چیزیں ہیں جو ہمیں عطا ہوئی تھیں۔ ظاہر ہے کہ یہ پہلے انھی آیات کے پردے میں ملی تھیں جن کو قرآن میں متشابہات سے تعبیر کیا گیا ہے۔[5]

متشابہات کے لفظ سے کہیں آپ اس شبہ میں نہ مبتلا ہوں کہ اس سے مراد شبہ میں ڈال دینے والی آیات ہیں۔ قرآن مجید میں کوئی چیز بھی شبہ میں ڈالنے والی نہیں ہے۔ متشابہات سے مراد پردۂ غیب کی وہی تفصیلات ہیں جن کے بیان کے لیے اس عالم کا تشبیہی جامہ مستعار لیا گیا ہے۔ ایک تو عقائد، اعمال، اخلاق اور موعظت کے اصول اور کلیات ہیں۔ ان کو قرآن نے محکمات سے تعبیر کیا ہے اور سارا دین انھی پر مبنی ہے۔ دوسرے احوال کی نادیدہ تفصیلات ہیں جو ہمارے عقل کے احاطہ سے تو باہر ہیں، لیکن عقل سلیم ان کے قبول کرنے سے انکار نہیں کر سکتی۔ محکمات پر ایمان رکھنے والے ان متشابہات سے بڑا فائدہ اٹھاتے ہیں، انھیں کبھی ان کے سبب سے کوئی تشویش

---

[5] فورم محدث، [آن لائن]، دستیاب: https://forum.mohaddis.com، رسائی کی تاریخ: 12 مئی 2025، بوقت: 3:45 شام (پاکستان اسٹینڈرڈ ٹائم)

Forum Mohaddis, [Online], Available at: https://forum.mohaddis.com, Accessed on: May 12, 2025, at 3:45 PM (Pakistan Standard Time).

لاحق نہیں ہوتی۔ البتہ جو لوگ سرے سے محکمات ہی کے معاملہ میں بے یقینی میں مبتلا ہوتے ہیں، وہ ان متشابہات کی آڑلے کر سارے دین کے خلاف فتنے اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن وحدیث کی بہت سی نصوص میں اللہ تعالیٰ تعالیٰ کے لیے "یدٌ" (ہاتھ، "قدم" (پیر) وغیرہ کا اثبات کیا گیا ہے؛ اس لیے جمہور اہل السنت والجماعت جن میں علمائے دیوبند بھی شامل ہیں کا موقف اس طرح کی نصوص کے سلسلے میں یہ ہے کہ نصوص میں جن صفات مثلاً ید، قدم، ضحک وغیرہ کا اللہ تعالیٰ کے لیے اثبات کیا گیا ہے، وہ سب بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی شایانِ شان ثابت ہیں؛ لیکن نہ تو یہ صفات مخلوقات کی صفات کی طرح ہیں اور نہ ہی ہمیں ان اوصاف کی کوئی کیفیت اور حقیقت معلوم ہے، چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں مسلک سلف کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے،

وإنما يسلك في ہذا المقام مذہب السلف... من
أئمة المسلمين قديمًا وحديثًا وہو إمرارہا كما جاء
ت من غير تكييف ولا تشبيه ولا تعطيل [6]

نیز حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ نے امداد الفتاوی (٦/ ٢٥، ط: زکریا) میں فرمایا: میں اس عقیدہ میں حضراتِ سلف کے مسلک پر ہوں کہ نصوص اپنی حقیقت پر ہیں؛ مگر "کنہ" اس کی معلوم نہیں۔

حضراتِ متأخرین اس طرح کی نصوص کی ایسی تاویل کرتے ہیں اور ایسے معنی پر انھیں محمول کرتے ہیں جو ذاتِ باری تعالیٰ کی شایانِ شان ہوں مثلاً "ید" کے معنی قدرت اور وضعِ قدم کے معنی مقہور ومغلوب کر دینے کے لیتے ہیں، نیز "وہو معکم أین ماکنت" میں "معیت" سے معیت بالعلم والقدرت مراد لیتے ہیں، اس کو تنزیہ مع التاویل اور اول الذکر تنزیہ مع التفویض کہتے ہیں، علمائے دیوبند کا اصل مسلک تو اول الذکر (تنزیہ مع التفویض) ہی ہے، البتہ ثانوی درجے میں اس مسلک کو بھی حق سمجھتے ہیں۔ [7] (؛ البتہ یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ مسئلہ بڑا نازک ہے، اس میں زیادہ قیل وقال نہ کرنا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صبیغ نامی ایک شخص کو جو مدینہ میں آکر

---

[6] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، اعراف، آیۃ:54، دار الفکر، بیروت، 1401ھ، ج:2، ص:435
Ibn Kathir, Isma'il ibn 'Umar. *Tafsir al-Qur'an al-'Azim*, Surah Al-A'raf, Ayah: 54, Dar al-Fikr, Beirut, 1401 AH, Vol. 2, p. 435.

[7] تھانوی، اشرف علی، مولانا، چند اہم عصری مسائل، مکتبہ رحیمیہ، لاہور، 2005ء، ج:2، ص:8
Thanwi, Ashraf Ali, Maulana. *Chand Ahem Asri Masail (Some Important Contemporary Issues)*, Maktabah Rahimiyyah, Lahore, 2005, Vol. 2, p. 8.

متشابہات میں گفتگو کرتا تھا سخت سزا دی تھی اور جب وہ وطن واپس گیا تو حضرت ابو موسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) کو حکم بھیجا کہ کوئی مسلمان اس کے پاس نہ بیٹھے۔[8]

تین قسم کی آیات، آیاتِ متشابہات میں داخل ہوں گی:

- حروفِ مقطعات جیسے الٓمٓ، حٰمٓ، یٰسٓ وغیرہ جو سورتوں کے شروع میں واقع ہوئے ہیں، ان حروف کے معانی ہی سرے سے معلوم نہیں ہیں۔
- وہ آیات والفاظ جن کا لفظی معنی تو معلوم ہو سکتا ہے، لیکن ان کی مراد معلوم و متعین نہیں، جیسے ید اللہ، وجہ اللہ وغیرہ کے الفاظ، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کلمۃ اللہ وروح اللہ وغیرہ کے الفاظ۔
- وہ آیات جن کی تاویل میں علماء حق، علماء ربانیین کا اختلاف ہو جائے، کیونکہ اختلاف کے بعد ان کی بھی مراد متعین نہ رہی، بلکہ مشتبہ ہو گئی۔ یہاں یہ واضح رہے کہ صرف علماء ربانیین کا اختلاف مراد ہے جن کا علم و عمل اور تقویٰ و دیانت عامۃ المسلمین کے نزدیک مسلم ہوتا ہے۔ ہر ایرے غیرے کا اختلاف معتبر نہیں، کیونکہ وہ تو محکمات میں بھی اختلاف کر سکتا ہے۔

ان تین قسموں کے علاوہ ایک چوتھی صورت یہ بھی ہے کہ کسی محکم آیت کو ایسا معنی پہنایا جائے جو اسلاف کے بیان کردہ معنی کے سراسر خلاف ہو۔ ایسا شخص بھی متشابہات کے پیچھے پڑنے والے اہلِ زیغ میں داخل ہو گا۔ آیاتِ متشابہات کا حکم یہ ہے کہ ان پر ایمان لایا جائے کہ یہ سب اللہ کا کلام ہے، اور ان کی مراد اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دی جائے، اس میں بحث ومباحثہ یا گفتگو نہ کی جائے، یا پھر ان کی ایسی مراد بیان کی جائے جو محکمات کے خلاف نہ ہو، جیسا کہ متاخرین تاویل کرتے ہیں۔

آیات صفات متشابہات

- ﴿ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ﴾.[9]

---

[8] دارمی، عبداللہ بن عبدالرحمن، سنن الدارمی، دار المغنی، مکہ المکرمہ، 2000ء، ج:1، ص:252

Darimi, Abdullah ibn Abdul Rahman. *Sunan al-Darimi*, Dar al-Mughni, Makkah al-Mukarramah, 2000, Vol. 1, p. 252.

[9] القرآن، الأعراف، 7:54

The Qur’an, Al-A‘raf, 7:54

- ﴿وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ﴾. [10]
- ﴿ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾[11]
- ﴿وَلِتُصْنَعَ عَلَى عَيْنِي﴾. [12]
- ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَن سَاقٍ﴾. [13]

تو انہیں اسلاف نے صفات متشابہات قرار دے دیا ہے۔ کیوں کہ اگر انہیں حقیقی معنی پر محمول کیا جائے تو تجسیم وتشبیہ کی راہیں کھلتی ہیں اور اگر صرف تنزیہ و تجرید کے تقاضے ملحوظ رکھے جائیں تو انکارِ صفات کے پہلو نکلتے ہیں

اللہ تعالی کا عرش پر قرار پکڑنا

﴿ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ﴾.

پھر عرش پر اِستواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے

استواء عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں سیدھا کرنا، قائم ہونا، قابو پانا اور بعض اوقات اس کے معنی بیٹھنے کے بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ چونکہ جسم اور مکان سے پاک ہے اس لئے اس کے یہ معنی سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ جس طرح کوئی انسان تخت پر بیٹھتا ہے اس طرح (معاذاللہ) اللہ تعالیٰ بھی عرش پر بیٹھے ہیں، استواء اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے اور جمہور اہل سنت کے نزدیک اس کی ٹھیک کیفیت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اسے متشابہات میں شمار کیا گیا ہے، جن کی کھود کرید میں پڑنے کو سورۃ آل عمران کے شروع میں خود قرآن کریم نے منع فرمایا ہے، اتنا ایمان رکھنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کے مطابق استواء فرمایا جس کی حقیقت ہماری محدود عقل کے ادراک سے باہر ہے۔ [14]

---

[10] القرآن، الرحمن، 27:55

The Qur'an, Ar-Rahman, 55:27

[11] . القرآن، الفتح، 48:10

The Qur'an, Al-Fath, 48:10

[12] القرآن، طہ، 39:20

The Qur'an, Ta-Ha, 20:39

[13] القرآن، القلم، 42:68

The Qur'an, Al-Qalam, 68:42

[14] عثمانی، محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، 1976ء، ج:3، ص:553

Usmani, Muhammad Shafi', Mufti. *Ma'arif al-Qur'an*, Idarah al-Ma'arif, Karachi, 1976, Vol. 3, p. 553.

خدا کے استواء علی العرش (تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہونے) کی تفصیلی کیفیت کو سمجھنا ہمارے لیے مشکل ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کے بعد کسی مقام کو اپنی اس لا محدود سلطنت کا مرکز قرار دے کر اپنی تجلیات کو وہاں مرتکز فرما دیا ہو اور اسی کا نام عرش ہو جہاں سے سارے عالم پر موجود اور قوت کا فیضان بھی ہو رہا ہے اور تدبیر امر بھی فرمائی جا رہی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ عرش سے مراد اقتدار فرماں روائی ہو اور اس پر جلوہ فرما ہونے سے مراد یہ ہو کہ اللہ نے کائنات کو پیدا کر کے اس کی زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔ بہر حال استواء علی العرش کا تفصیلی مفہوم خواہ کچھ بھی ہو، قرآن میں اس کے ذکر کا اصل مقصد یہ ذہن نشین کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ محض خالق کائنات ہی نہیں ہے بلکہ مدبّر کائنات بھی ہے۔ وہ دنیا کو وجود میں لانے کے بعد اس سے بے تعلق ہو کر کہیں بیٹھ نہیں گیا ہے بلکہ عملاً وہی سارے جہان کے جز و کل پر فرماں روائی کر رہا ہے۔ سلطانی و حکمرانی کے تمام اختیارات بالفعل اس کے ہاتھ میں ہیں ہر چیز اس کے امر کی تابع ہے، ذرّہ ذرّہ اس کے فرمان کا مطیع ہے اور موجودات کی قسمتیں دائماً اس کے حکم سے وابستہ ہیں۔ اس طرح قرآن اس کی بنیادی غلط فہمی کی جڑ کاٹنا چاہتا ہے جس کی وجہ سے انسان کبھی شرک کی گمراہی میں مبتلا ہوا ہے اور کبھی خود مختیاری و خود سری کی ضلالت میں۔ خدا کو کائنات کے انتظام سے عملاً بے تعلق سمجھ لینے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آدمی یا تو اپنی قسمت کو دوسروں سے وابستہ سمجھے اور ان کے آگے سر جھکا دے، یا پھر اپنی قسمت کا مالک خود اپنے آپ کو سمجھے اور خود مختار بن بیٹھے۔[15]

یہاں ایک اور بات اور قابل توجہ ہے۔ قرآن مجید میں خدا اور خلق کے تعلق کو واضح کرنے کے لیے انسانی زبان میں سے زیادہ تر وہ الفاظ، مصطلحات، استعارے اور انداز بیان انتخاب کیے گئے ہیں جو سلطنت و بادشاہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ طرز بیان قرآن میں اس قدر نمایاں ہے کہ کوئی شخص جو سمجھ کر قرآن کو پڑھتا ہوا سے محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بعض کم فہم ناقدین کے معکوس دماغوں نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ کتاب جس عہد کی "تصنیف" ہے اس زمانہ میں انسان کے ذہن پر شاہی نظام کا تسلط تھا اس لیے مصنف نے (جس سے مراد ان ظالموں کے نزدیک محمد ﷺ ہیں) خدا کو بادشاہ کے رنگ میں پیش کیا۔

---

[15] طبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، دار الفکر، بیروت، 1405ھ، ج:2ص:877

Tabari, Muhammad ibn Jarir. *Jami‘ al-Bayan fi Tafsir al-Qur’an*, Dar al-Fikr, Beirut, 1405 AH, Vol. 2, p. 877.

حالانکہ دراصل قرآن جس دائمی و ابدی حقیقت کو پیش کر رہا ہے وہ اس کے برعکس ہے۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ زمین اور آسمانوں میں پادشاہی صرف ایک ذات کی ہے، اور حاکمیت (Sovereignity) جس شے کا نام ہے وہ اسی ذات کے لیے خاص ہے، اور یہ نظام کائنات ایک کامل مرکزی نظام ہے جس میں تمام اختیارات کو وہی ایک ذات استعمال کر رہی ہے، لہذا اس نظام میں جو شخص یا گروہ اپنی یا کسی اور کی جزوی یا کُلّی حاکمیت کا مدعی ہے وہ محض فریب میں مبتلا ہے۔ نیز یہ کہ اس نظام کے اندر رہتے ہوئے انسان کے لیے اس کے سوا کوئی دوسرا رویہ صحیح نہیں ہو سکتا کہ اسی ایک ذات کو مذہبی معنوں میں واحد معبود بھی مانے اور سیاسی و تمدنی معنوں میں واحد سلطان (Sovereign) بھی تسلیم کرے۔[16]

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس میں ایک شخص نے ﴿الرحمن عَلَى الْعَرْش اسْتَوَى﴾ کی تلاوت کر کے یہی سوال اٹھایا کہ اللہ تعالیٰ کا استوا کیسا ہے؟ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک لمحہ سوچ کر ارشاد فرمایا یہ استوا ایسا ہی ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ میں اپنے بارے میں بیان فرمادیا ہے۔ الرحمن (یعنی صرف صفت استوی کی نسبت باری تعالیٰ کے لیے ثابت ہے) اس کی کوئی کیفیت نہیں (کیوں کہ یہ جسم کی خصوصیت ہے) اس لیے یہاں کیفیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ("فقال: (الرحمن على العرش استوى، كما وصف به نفسه. ولا يقال كيف، وكيف عنه مرفوع."[17]

امام مالکؒ کا یہ سخت جواب اس لئے بھی ہے کہ ایسے سوال تو صحابہؓ رسول ﷺ نے نہیں پوچھے تھے۔ انہیں اس شخص کے سوال پر بہت تکلیف ہوئی اور پھر اپنا یہی مشہور قول ارشاد فرمایا جو بعد کے علماء نے اسماء وصفات کے لئے میزان بنالیا۔ جس کا مطلب ہے کہ استواء تو لغت عربی میں معلوم ہے جیسے کہتے ہیں

اِسْتَوَى عَلَى فُلاَنٍ: عَلاَ عَلَيْهِ عُلُوًّا خَاصًا۔[18]

وہ اس پر ایک خاص بلندی پر چڑھ گیا۔

---

[16] مودودی، سید ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 1982ء ج:2، ص:325

Maududi, Syed Abul A'la. *Tafhim al-Qur'an*, Idara Tarjuman al-Qur'an, Lahore, 1982, Vol. 2, p. 325.

[17] ابن الجوزی، عبد الرحمن بن علی، الدر المنثور، بیروت، 1990ء ج:1، ص:408

Ibn al-Jawzi, Abdul Rahman ibn 'Ali. *Al-Durr al-Manthur*, Beirut, 1990, Vol. 1, p. 408.

[18] ابن فارس، احمد بن فارس، معجم مقائیس اللغۃ اتحاد الکتاب العرب، شام، 2022ء، ج:2، ص:200

Ibn Faris, Ahmad ibn Faris. *Mu'jam Maqayis al-Lughah*, Ittihad al-Kuttab al-'Arab, Sham, 2022, Vol. 2, p. 200.

البتہ اس کی کیفیت عقل کے ذریعے جاننی ناممکن ہے کیونکہ اللہ تعالی کی صفات کا احاطہ ہو ہی نہیں سکتا۔

{يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ}[19]

جو کچھ ان کے سامنے ہیں اور جو کچھ پیچھے وہ اسے بھی جانتا ہے اور اس کے علم کا احاطہ وہ نہیں کر سکتے مگر جتنا اللہ خود چاہے۔

اس لئے جب عقلی اور نقلی طور پر ہم اسے جان ہی نہیں سکتے تو یہی فرض ہے کہ ہم اس بحث میں نہ ہی پڑیں کیونکہ اس کا کوئی نتیجہ ہی نہیں اس لئے عقلی اور نقلی دلیل نہ ہونے کی وجہ سے اس سلسلے میں خاموشی بہتر ہے۔ صرف ایما ن لانا ضروری ہے کہ اللہ تعالی عرش پر مستوی ہے اور اللہ تعالی نے خود اپنی کتاب میں یہ بات سات بار دہرائی ہے جسے مسلمان صبح وشام اپنی تلاوت میں پڑھتے ہیں اس لئے استوی علی العرش کی کیفیت کے بارے میں سوال کرنا ہی غلط ہے۔ صحابہ رسول ﷺ نے جو اس امت کے افضل اور علم شریعت سیکھنے میں سب سے زیادہ حریص لوگ تھے کبھی ایسا سوال نہیں کیا۔ ہاں ایسے سوال ضرور کئے ہیں جن کا جواب دینا آپ ﷺ کے لئے ممکن تھا۔ تو یہ سوال کسی عالم سے بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالی کے لیے چہرے (وجہ) کا لفظ استعمال اور اس کا صحیح محمل

﴿وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّک﴾. [20]

وجہ ربک: وجہ مضاف، ربک مضاف مضاف الیہ مل کر وجہ کا مضاف الیہ اس کے اصل معنی چہرہ کے ہیں جیسا کہ اور جگہ قرآن مجید میں فاغسکوا وجوہکم وایدیکم [21]

اپنے منہ اور ہاتھ دھولیا کرو۔

سورہ الرحمن کی آیت "وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْكَرَامَةِ" [22] میں "وَجْهُ رَبِّكَ" کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس کے لغوی اور اصطلاحی معنی کو آیات متشابہات کی روشنی میں دیکھنا ہو گا۔

---

[19] القرآن، البقرۃ، 2 :252

The Qur'an, Al-Baqarah, 2:252

[20] القرآن، الرحمٰن، 55 :27

The Qur'an, Ar-Rahman, 55:27

[22] ایضاً

ibid

"وَجْهُ" (چہرہ) کا لغوی معنی "چہرہ" یا "رُخ" ہوتا ہے۔ عربی میں "وَجْہ" کا لفظ کسی شخص کے چہرے یا ظاہری رُخ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جو کہ اس کی پہچان اور خصوصیت کا مظہر ہوتا ہے۔

اسلامی مفکرین کے مطابق، قرآن میں اللہ تعالیٰ کے متعلق جو لفظ "وَجْہ" آیا ہے، وہ حقیقتاً انسان کے چہرے کے مفہوم میں نہیں لیا جا سکتا۔اس کا اصل مفہوم اللہ کی صفات اور کمالات کا ظہور ہوتا ہے۔ قرآن میں اللہ کی ذات کا کوئی بھی تصور انسانی جسم یا خصوصیات سے مشابہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ اللہ کی ذات ہر اعتبار سے مخلوق سے الگ اور بے مثال ہے۔[23]

آیات متشابہات کی رو سے مفہوم:

قرآن مجید میں کچھ آیات متشابہات (مشکل یا مبہم آیات) بھی آئی ہیں جنہیں مفسرین نے مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ آیات متشابہات کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ اصول دیا ہے کہ ہم ان آیات کا علم مکمل طور پر صرف اللہ کے علم میں ہی سمجھیں، اور ہم ان آیات کو ان کے ظاہر سے زیادہ معنی نہ سمجھیں۔[24]

"وَجۡهُ رَبِّكَ" کا مطلب اس سلسلے میں یہ لیا جاتا ہے کہ یہ اللہ کی ذات کی تکمیل، جلال، اور کرامت کی علامت ہے۔ یہاں "وَجۡه" سے مراد اللہ کی وہ حقیقت ہے جو ہم انسانوں کی سمجھ سے باہر ہے۔اللہ کا "وَجۡه" دراصل اس کی جلالت و کرامت کی نشاندہی کرتا ہے، جو کہ ابدی اور باقی رہنے والا ہے، جیسے کہ باقی رہنے والی اللہ کی صفات اور طاقت۔

اور چونکہ استقبال کے وقت سب سے پہلے انسان کا چہرہ سامنے نظر آتا ہے۔ اس لئے کسی چیز کا وہ حصہ جو سب سے پہلے نظر آئے اسے وجہ کہہ لیتے ہیں وجہ النہار۔ ان کا اول حصہ۔ وجہ بمعنی ذات ہے جیسا کہ آیت ہذا میں: اور تمہارے پروردگار ہی کی ذات (بابرکت) جو صاحب جلال و عظمت ہے۔[25]

---

[23] کیلانی، عبد الرحمن، مولانا، تیسیر القرآن، مکتبۃ السلام، کراچی، 1432ھ، ج:2، ص:545

Kilani, Abdul Rahman, Maulana. *Tayseer al-Qur'an*, Maktabah al-Salam, Karachi, 1432 AH, Vol. 2, p. 545.

[24] القرآن، آلِ عمران، 3: 7

The Qur'an, Aal-e-Imran, 3:7

[25] بغوی، حسین بن مسعود، معالم التنزیل، دار المعرفہ، بیروت، 1407ھ، لبنان، ج:1، ص:436

Baghawi, Husayn ibn Mas'ud. *Ma'alim al-Tanzil*, Dar al-Ma'rifah, Beirut, 1407 AH, Lebanon, Vol. 1, p. 436.

نیز ہر چیز کے اشرف حصہ اور مبدا پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے جیسے وجہ کذا اس کا اول حصہ۔ وجہ النھار دن کا اول حصہ اور آیت کریمہ:۔ (وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ)[26]اور تمہارے پروردگار ہی کی ذات (بابرکت) جو صاحب جلال وعظمت ہے۔ باقی رہ جائے گی۔ میں بعض نے وجہ سے ذات باری تعالیٰ مرادلی ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ وجہ ربک سے اعمال صالحہ مراد ہیں۔ جن سے ذات باری تعالیٰ کی رجاجوئی مقصود ہوتی ہے ۔ نیز فرمایا:۔(فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ)[27]توجدھر تم رخ کرو ادھر اللہ کی ذات ہے۔ (كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ)[28] اس کی ذات پاک کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ [29]جو لوگ رضائے خدا کے طالب ہیں۔(إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ)[30]اور کہتے ہیں کہ ہم تو خالص خدا کے لئے کھلاتے ہیں۔

ان تمام آیات میں بعض نے کہا ہے کہ وجہ اللہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے لہذا آیت کل شئ ھالک کے معنی یہ ہیں کہ باستثنا ذات باری تعالیٰ ہر چیز نابود ہونے والی ہے۔ اور اسی قسم کی دوسری آیات میں بھی یہی معنی ہیں۔ مروی ہے کہ ابی عبد اللہ بن الرضائے نے کہا ہے سبحان اللہ لوگ بہت بڑا کلمہ کہتے ہیں۔ [31]

ڈاکٹر اسرار احمد اپنی تفسیر بیان القران میں لکھتے ہیں: اللہ کے چہرے کا تصور ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اس لحاظ سے اگرچہ یہ آیت آیات متشابہات میں سے ہے لیکن اس کا عمومی مفہوم بالکل واضح ہے کہ باقی رہنے والی صرف ایک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہے' جس کے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ اس کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مخلوق

---

[26]القرآن، الرحمٰن،55: 27

The Qur’an, Ar-Rahman, 55:27

[27]القرآن، البقرۃ،2: 115

The Qur’an, Al-Baqarah, 2:115

[28]القرآن، القصص،28: 88

The Qur’an, Al-Qasas, 28:88

[29]القرآن، الروم،30: 38

The Qur’an, Ar-Rum, 30:38

[30]القرآن، الإنسان،76: 9

The Qur’an, Al-Insan, 76:9

[31]ابو نصر فیروزپوری، سید احمد، مفردات القرآن، مکتبہ دار الکتاب العربی، بیروت، 1988ء، ج:2، ص:543

Abu Nasr Firozabadi, Sayyid Ahmad. *Mufradat al-Qur’an*, Maktabah Dar al-Kitab al-‘Arabi, Beirut, 1988, Vol. 2, p. 543.

ہے اور ان میں کوئی ایک مخلوق بھی ایسی نہیں جو اپنے بل پر اپنا وجود قائم رکھے ہوئے ہو۔ ہر چیز اور ہر مخلوق کا وجود اللہ تعالیٰ کی منشاء و مرضی کا مرہونِ منت ہے۔ جب تک وہ چاہتا ہے کسی چیز کا وجود برقرار رہتا ہے اور جب وہ چاہتا ہے اسے فنا کر دیتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ القصص کی اس آیت میں فرمایا گیا ہے:

{ كُلُّ شَيْءٍ هالِكٌ اِلاَّ وَجْهَهٗط لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ }[32]

"ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اس کے چہرے کے۔ فرمان روائی اسی کی ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹا دیے جاؤ گے۔"

اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ید (ہاتھ) کا استعمال اور اس کا صحیح محمل

﴿ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ﴾.[33]

آیت "يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ"[34] کو بعض علماء نے "آیات متشابہات" میں شامل کیا ہے، کیونکہ اس میں لفظ "ید" (ہاتھ) اللہ کے لئے استعمال ہوا ہے، اور یہ انسانوں کے ہاتھ کے حقیقی معنی میں نہیں آتا۔ اس طرح کی آیات کو "متشابہات" کہا جاتا ہے کیونکہ ان کا ظاہر معنی انسانوں کے سمجھنے کے مطابق ہوتا ہے، لیکن ان کا حقیقتی مفہوم اللہ کی ذات کی مخصوصات سے متعلق ہوتا ہے، جو صرف اللہ کی مشیت اور علم میں ہے۔

لفظ "ید" کا مجازی مفہوم: جب ہم قرآن میں اللہ کی "ید" کا ذکر کرتے ہیں، تو یہ کسی حقیقی مادی ہاتھ کی طرف اشارہ نہیں کرتا۔ اللہ کا ہاتھ مخلوق کی طرح نہیں ہوتا۔ اس کا مفہوم دراصل اللہ کی قوت، طاقت، اور اختیار کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اللہ کی "ید" کا مطلب اس کی حمایت، عزت اور قدرت ہے۔

"فوق" کا مفہوم: "فوق" کا مطلب ہے "اوپر" یا "سب سے بلند"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طاقت اور اختیار انسانوں سے بہت بلند ہے۔ اللہ کی مدد اور قوت انسانوں کے عمل سے زیادہ عظیم ہے۔[35]

---

[32] القرآن، القصص، 28: 88

The Qur'an, Al-Qasas, 28:88

[33] القرآن، الفتح، 48: 10

The Qur'an, Al-Fath, 48:10

[34] القرآن، الفتح، 48: 10

The Qur'an, Al-Fath, 48:10

[35] قرطبی، محمد بن احمد، الجامع لأحکام القرآن والمبين لما تضمنه من السنة وآي الفرقان، دار الشعب، قاہرہ، 1372ھ، ج2، ص9787

Qurtubi, Muhammad ibn Ahmad. *Al-Jami' li Ahkam al-Qur'an wa al-Mubayyin lima Tadhammanahu min al-Sunnah wa Ay al-Furqan*, Dar al-Sha'b, Cairo, 1372 AH, Vol. 2, p. 9787.

علماء کی تشریحات: علماء کی بڑی تعداد اس بات پر متفق ہے کہ ایسی آیات کا جو ظاہر معنی ہے، وہ اللہ کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے کافی نہیں ہوتا۔ ان کا تفسیری مطلب اللہ کے علم میں ہوتا ہے، اور ہمیں ان آیات کا حقیقی مفہوم اللہ کی مرضی پر چھوڑ دینا چاہیے۔ قرآن خود ہی کہتا ہے کہ "رَسِخُونَ فِي الْعِلْمِ" [36]یعنی جو لوگ علم میں پختہ ہیں، وہ ان آیات کا علم رکھتے ہیں اور اللہ کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آیت "يدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ" کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی طاقت، قوت اور مدد انسانوں سے بلند اور زیادہ عظیم ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ کا کوئی مادی ہاتھ ہے۔ اس طرح کی آیات کو تشابہات میں شامل کیا جاتا ہے کیونکہ ان کا ظاہر معنی انسانی سمجھ کے مطابق ہوتا ہے، لیکن ان کا اصل مفہوم اللہ کی غیر مادی صفات سے متعلق ہوتا ہے۔

آیت "يدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ" کی تفسیروں میں مختلف مفسرین نے اس آیت کو مختلف زاویوں سے بیان کیا ہے۔ یہاں ہم مختلف تفسیروں کی روشنی میں اس آیت کی وضاحت کریں گے:

یہ آیت اللہ کی طاقت اور اختیار کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس میں "ید" (ہاتھ) کا لفظ مجازی طور پر استعمال کیا گیا ہے، اور اس سے مراد اللہ کی بے پناہ قدرت، طاقت اور حکمت ہے۔ اس آیت میں اللہ کی حمایت، عزت اور مدد کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔

امام ابن کثیر کی تفسیر:

امام ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت اللہ کی عظمت اور اس کی مدد کو بیان کرتی ہے۔ "يَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ" کا مطلب ہے کہ اللہ کی طاقت اور مدد انسانوں سے زیادہ عظیم ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کا کوئی مادی ہاتھ ہے، بلکہ یہ اللہ کی حکمت، قوت، اور عزت کی علامت ہے۔ ابن کثیر مزید وضاحت دیتے ہیں کہ جب مومن بیعت کرتے ہیں، تو وہ اللہ کے ساتھ اپنے عہد کا احترام کرتے ہیں، اور اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس آیت میں اللہ کی "ہاتھ" کی صفات کو مادی اعتبار سے نہیں بلکہ معنوی طور پر سمجھا جانا چاہیے۔[37]

---

[36] القرآن، آل عمران، 7:3

The Qur'an, Aal-e-Imran, 3:7

[37] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، دار الفکر، بیروت، 1401ھ، ج:3، ص:243

Ibn Kathir, Isma'il ibn 'Umar. *Tafsir al-Qur'an al-'Azim*, Dar al-Fikr, Beirut, 1401 AH, Vol. 3, p. 243.

امام طبرانی کی تفسیر:

امام طبرانی نے اس آیت کی تفسیر میں کہاہے کہ اللہ کی "ید" سے مراد اس کی بے پناہ مدد اور طاقت ہے۔ اللہ کا ہاتھ انسانوں کے ہاتھ سے بلند ہے، یعنی اللہ کی قدرت انسانوں کے اعمال سے کہیں زیادہ ہے۔

انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ "يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ" کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی طاقت ہر چیز پر حاوی ہے، اور وہ کسی بھی انسان یا مخلوق کے اختیار سے بلند ہے۔[38]

شیخ ابن عثیمین نے بھی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ "يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ" سے مراد اللہ کی قدرت، اختیار اور حمایت ہے۔ انہوں نے اس آیت کا مادی مفہوم رد کیا اور کہا کہ اللہ کا ہاتھ انسانوں کے ہاتھ کی طرح نہیں ہے۔ یہ لفظ مجازی طور پر اللہ کی طاقت اور عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ ان کے مطابق، "فَوْقَ أَيْدِيهِمْ" کا مطلب ہے کہ اللہ کی مدد انسانوں سے زیادہ ہے، اور اس کا حکم ہر چیز پر غالب ہے۔

مولانا مودودی کی تفسیر:

مولانا مودودی نے اپنی تفسیر "تفہیم القرآن" میں اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کا "ہاتھ" ایک مجازی اصطلاح ہے جو اللہ کی طاقت، اختیار اور امداد کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ان کے مطابق، اللہ کا ہاتھ انسانی ہاتھ سے مختلف ہے اور اسے اس طرح سمجھنا غلط ہوگا کہ اللہ کا کوئی مادی ہاتھ ہے۔ اس کے بجائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی قوت ہر چیز پر غالب ہے اور اس کی مدد انسانوں کی مدد سے بہت بڑھ کر ہے۔[39]

العلامہ قرطبی کی تفسیر:

العلامہ قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا کہ "یدُ اللہِ" اللہ کی طاقت اور عظمتی صفات کو ظاہر کرتی ہے۔ ان کے مطابق، "فَوْقَ أَيْدِيهِمْ" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا اختیار اور مدد انسانوں کے اختیار سے بلند ہے۔ یہ آیت اس بات کا اظہار کرتی ہے کہ اللہ کے ہاتھ سے مراد اللہ کی قوت ہے، جو مخلوق سے بلند اور اعلیٰ ہے۔[40]

---

[38] طبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، دار الفکر، بیروت، 1405ھ، لبنان ج:3، ص:243

Tabari, Muhammad ibn Jarir. *Jami‘ al-Bayan fi Tafsir al-Qur’an*, Dar al-Fikr, Beirut, 1405 AH, Lebanon, Vol. 3, p. 243.

[39] مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 2002، ج: 3، ص: 543

Maududi, Syed Abul A‘la. *Tafhim al-Qur’an*, Idara Tarjuman al-Qur’an, Lahore, 2002, Vol. 3, p. 543.

[40] قرطبی، محمد بن احمد، الجامع لأحکام القرآن والمبین لما تضمنہ من السنۃ وآي الفرقان، دار الشعب، قاہرہ، 1372ھ، ج:4، ص: 342

آیت "يدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ" کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی طاقت، حمایت، اور قوت انسانوں سے بلند اور زیادہ عظیم ہے۔ اس میں "ید" کا لفظ مجازی طور پر استعمال کیا گیا ہے، اور اس کا مقصد اللہ کی بے پناہ قدرت کو ظاہر کرنا ہے۔ یہ آیت ہمیں اللہ کی عظمت، اس کے اختیار اور اس کی مدد کے بارے میں آگاہ کرتی ہے، اور ہمیں اس کی حقیقت کا ادراک کرتے وقت مادی تفصیلات سے بچنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ عین (آنکھ) کا استعمال اور اس کا صحیح محمل

﴿وَلِتُصْنَعَ عَلَى عَيْنِي﴾.[41]

لفظ "تُصْنَعَ" کا مفہوم اور اس کا مجموعی مفہوم کئی زاویوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔

"تُصْنَعَ" کا لفظی معنی "بنائی جائے" یا "پروان چڑھائی جائے" ہے، اور "عَلَىٰ عَيْنِي" کا لفظی ترجمہ "میری آنکھوں کے سامنے" یا "میری نگاہ میں" کے طور پر کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا، لفظی طور پر یہ جملہ اس طرح ترجمہ کیا جا سکتا ہے:

"تا کہ تُو میری آنکھوں کے سامنے (یعنی میری نگاہ میں) بنایا جائے"۔[42]

اصطلاحاً، "عَلَىٰ عَيْنِي" کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کو اللہ کی خصوصی نگہداشت، تحفظ، اور نگرانی میں رکھا گیا ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں اللہ کی خاص ہدایت، رہنمائی اور حفاظت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسی حالت میں رکھا کہ ان کی زندگی اور ان کی کامیابی ہر لحظہ اللہ کی نظر میں تھی۔

- خصوصی توجہ اور حفاظت: اصطلاحاً، "عَلَىٰ عَيْنِي" کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی پوری توجہ اور نظر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تھی، جیسے کسی چیز کو انتہائی احتیاط اور محبت کے ساتھ دیکھا جائے۔

Qurtubi, Muhammad ibn Ahmad. *Al-Jami‘ li Ahkam al-Qur’an wa al-Mubayyin lima Tadhammanahu min al-Sunnah wa Ay al-Furqan*, Dar al-Sha‘b, Cairo, 1372 AH, Vol. 4, p. 342.

[41] القرآن، طہ، 20: 39

The Qur’an, Ta-Ha, 20:39

[42] ازہری، ابو منصور محمد بن احمد، تہذیب اللغۃ، دار الشعب، قاہرہ، 1372ھ، ص 765

Azhari, Abu Mansur Muhammad ibn Ahmad. *Tahdhib al-Lughah*, Dar al-Sha‘b, Cairo, 1372 AH, p. 765.

- اللہ کی نگہبانی: یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش اور ترقی ایک خاص مقصد کے لیے ہو رہی تھی، اور اللہ کی طرف سے ہر لمحہ ان کی حفاظت اور رہنمائی کی جا رہی تھی۔
- "والقيت عليك محبة مني ولتصنع على عيني" یہ آیت قرآن مجید کے سورہ طٰہٰ کی آیت 39 ہے، جس میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے فرما رہے ہیں: "اور میں نے تجھ پر اپنی محبت ڈالی تاکہ تو میری نظر میں پسندیدہ ہو، اور یہ کہ تُو میرے سامنے بنایا جائے (یعنی پرورش پائے)۔"[43]
- یہ آیت مفسرین کے نزدیک ایک خاص نوعیت کی نعمت اور فضل کی علامت ہے، جس میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش اور حفاظت کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اپنی محبت ڈال دی تاکہ وہ دنیا میں کامیاب ہوں، لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت و عظمت ہو، اور ان کی پرورش اور نگہداشت ایک خاص طور پر اللہ کی طرف سے کی گئی ہو۔ اس کا مقصد ان کی زندگی میں انعام اور کامیابی کا آغاز کرنا تھا۔
- اس آیت کو اللہ کی خاص رہنمائی اور فضل کے طور پر دیکھتے ہیں، جس کے ذریعے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور ان کی دعوت کا آغاز ہوا۔[44]
- مفسرین کے نزدیک "وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي" (سورہ طٰہٰ، آیت 39) کا مفہوم کئی جہتوں سے بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی محبت سے نوازنے اور ان کی حفاظت کی بات فرما رہے ہیں

اس آیت کے حوالے سے مختلف پہلوؤں:

---

[43] طبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، دار الفکر، بیروت، 1405ھ، ج: 2، ص: 872

Tabari, Muhammad ibn Jarir. *Jami‘ al-Bayan fi Tafsir al-Qur’an*, Dar al-Fikr, Beirut, 1405 AH, Vol. 2, p. 872.

[44] عثمانی، محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، 1976ء، ج: 3، ص: 654

Usmani, Muhammad Shafi‘, Mufti. *Ma‘arif al-Qur’an*, Idarah al-Ma‘arif, Karachi, 1976, Vol. 3, p. 654.

1. اللہ کی محبت کا ڈالنا: مفسرین کے مطابق "وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً" کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اپنی محبت ڈال دی، تاکہ وہ لوگوں کی نگاہ میں محبوب و محترم بنیں اور اللہ کی طرف سے ان کی فطرت میں ایسی خوبیوں کا مظاہرہ ہو جو لوگوں کو ان کی طرف کھینچیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بے مثال کردار اور صداقت کی خصوصیت اسی محبت کا نتیجہ تھی۔
2. اللہ کی نگاہ میں مخصوص پرورش: ۫ عَيْنِي وَلِتُصْنَعَ عَلَى "کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش اللہ کے خصوصی نگہبان میں ہوئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ان کی مکمل حفاظت کی اور ان کی ہر ضرورت اور معاملے میں رہنمائی فراہم کی۔ اللہ کی " نظر " سے مراد اللہ کی مکمل توجہ اور عنایت ہے۔
3. ایک خاص مقصد کے لیے منتخب کرنا: بعض مفسرین کے مطابق اس آیت کا ایک اور مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاص مقصد کے لیے منتخب کیا تھا۔ ان کی زندگی میں یہ محبت اور پرورش اس لیے تھی تاکہ وہ بنی اسرائیل کی رہنمائی اور فرعون کے ظلم کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔
4. اللہ کی ہدایت اور رہنمائی: ایک اور نقطہ نظر کے مطابق اس آیت میں "محبت" کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اپنی ہدایت، نور، اور راستہ ڈال دیا تھا، تاکہ وہ اپنے مشن کی تکمیل کے لیے ہر لحاظ سے تیار ہوں۔ اس محبت کا اثر ان کے قول و فعل میں ظاہر ہوا اور وہ اللہ کے راستے پر گامزن رہے۔
5. حضرت موسیٰ کی شخصیت کی عظمت: بعض مفسرین نے اس آیت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کی عظمت کے طور پر دیکھا ہے۔ اللہ کی محبت اور اس کی " نظر " سے مراد ان کی شخصیت میں ایسی صفات کا آنا ہے جو انہیں اللہ کے مقبول بندوں میں شامل کرتی ہیں۔ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت اور مقام کا اظہار ہوتا ہے، جو اللہ کی طرف سے ایک خصوصی تحفہ تھا۔

لہٰذا، مفسرین کے مطابق اس آیت کا مجموعی مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی خاص محبت اور پرورش سے نوازا تاکہ وہ ایک عظیم رہنما بن کر اپنے وقت کے فرعون کا مقابلہ کریں اور بنی اسرائیل کو آزادی دلائیں۔[45]

مولانا اشرف علی تھانوی اس ایت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں لِتُصْنَعَ کے لفظی معنی ہیں: "تاکہ تم کو بنایا جائے"۔ اسی مادہ سے لفظ مَصْنَع مشتق ہے جس کے معنی کارخانہ کے ہیں۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت کا کارخانہ فرعون کا محل قرار پایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام پر اپنی محبت کا پرتو ڈال کر آپ علیہ السلام کی شکل میں ایسی کشش پیدا کر دی تھی کہ دشمن بھی دیکھتے تو گرویدہ ہو جاتے۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا کہ آپ علیہ السلام کی پرورش کے انتظامات خصوصی طور پر شاہی محل میں کیے جانے منظور تھے۔[46]

والقيت عليك محبة منى، ابن عباس کا قول ہے کہ میں نے اس سے محبت کی۔ پس مخلوق کی نظر میں بھی اس کو محبوب بنا دیا۔ عکرمہ کا قول ہے جو بھی اس بچے کو دیکھتا تھا پیار کرنے لگتا تھا۔ قتادہ کا قول ہے کہ موسیٰ کی آنکھوں میں عجیب ملاحت تھی کہ جو بھی آپ کو دیکھتا تھا عاشق اور فریفتہ ہو جاتا۔ ولتصنع علی عینی، اس کی خوب خدمت کی اور نہگداشت کی۔ ابو جعفر نے جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔[47]

یوں تو ہر شخص کی پرورش اللہ تعالیٰ ہی کی نگرانی میں ہوتی ہے، مگر یہاں مطلب یہ ہے کہ عام طور سے پرورش کے جو اسباب ہوتے ہیں کہ ماں باپ اپنے خرچ اور ذمہ داری پر بچے کی پرورش کرتے ہیں، وہ حضرت موسیٰؑ کے معاملے میں اختیار نہیں فرمائے گئے۔ اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے براہ راست ان کی پرورش ان کے دشمن سے کرائی۔

اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ساق (پنڈلی) کا استعمال

---

[45] جصاص، احمد بن علی، احکام القرآن، دار احیاء التراث، بیروت، 1405، لبنان؛ ج:2، ص:432

Jassas, Ahmad ibn ʻAli. *Ahkam al-Qur'an*, Dar Ihya' al-Turath, Beirut, 1405 AH, Lebanon, Vol. 2, p. 432.

[46] تھانوی، اشرف علی، مولانا، بیان القرآن، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، 1976ء، ج:2، ص:432

Thanwi, Ashraf ʻAli, Maulana. *Bayan al-Qur'an*, Maktabah Rahmaniyyah, Lahore, 1976, Vol. 2, p. 432.

[47] بغوی، حسین بن مسعود بن، معالم التنزیل، دار المعرفہ، بیروت، 1407، ج:4، ص:216

Baghawi, Husayn ibn Masʻud. *Maʻalim al-Tanzil*, Dar al-Maʻrifah, Beirut, 1407 AH, Vol. 4, p. 216.

پنڈلی:﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَن سَاق﴾.[48]

يوم يكشف عن ساق: یوم منصوب بوجہ مفعول اذکر محذوف ہے۔ اذکر یوم: یاد کرو وہ دن جب۔۔ یکشف مضارع مجہول واحد مذکر غائب، کشف (باب ضرب) مصدر سے۔ پردہ ہٹا دیا جائے گا۔ کھول دیا جائے گا۔ سخت شدت ہوگی۔ ساق بمعنی پنڈلی۔

یکشف عن ساق سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں:۔

1. اى يكشف عن اقبل الامر (بیضاوی، روح البیان) جب حقیقہ الامر سے پردہ ہٹا دیا جائے گا۔
2. كناية عن شدة هول القيامة۔ کلمات القرآن، تفسیر و بیان، حسنین محمد مخلوف۔
3. پنڈلی کے کشف سے مراد ہے میدان حشر میں نور الٰہی کی ایک خاص جھلک ایک مخصوص پر تواندازی۔ وغیرہ
4. اکثر مفسرین نے اس سے مراد روز حشر کی ہولناک اور کرب عظیم کی صورت حالات ہی لیا ہے۔ جب گھمسان کی لڑائی شروع ہو جاتی ہے تو عرب کہتے ہیں شمرت الحرب عن ساقھا۔ جنگ نے اپنی پنڈلی سے تہ بند اوپر اٹھا لیا۔

راجز کا شعر ہے:۔

قد كشفت عن ساقها فشدو وجدت الحرب
بكم فجدوا

(اے بہادرو!) لڑائی نے اپنی پنڈلی ننگی کر دی ہے۔

تو سب زور سے حملہ کرو۔ جنگ زوروں پر ہے اب تم بھی سنجیدگی سے داد شجاعت دو جس سال قحط انتہا کو پہنچ جائے تو اس کا ذکر یوں کرتے ہیں۔ فی سنة قد كشفت عن ساقها۔ یہ اس سال کی بات ہے کہ جس نے اپنی پنڈلی ننگی کر دی۔[49]

صاحب ضیاء القرآن لکھتے ہیں:۔

---

[48] القرآن، القلم، 68:42

The Qur'an, Al-Qalam, 68:42

[49] القرطبی، محمد بن احمد، الجامع لأحکام القرآن والمبین لما تضمن من السنة وآیات الفرقان، دار الشعب، قاہرہ، 1372، ج:2، ص:9787

Qurtubi, Muhammad ibn Ahmad. *Al-Jami' li Ahkam al-Qur'an wa al-Mubayyin lima Tadhammanahu min al-Sunnah wa Ayat al-Furqan*, Dar al-Sha'b, Cairo, 1372 AH, Vol. 2, p. 9787.

اس محاورہ کے مطابق آیت کا مطلب ہو گا۔ روز قیامت جب حالات بڑے تکلیف دہ اور ہولناک ہو جائیں گے اور ہر شخص جلال خداوندی سے لرزہ براندام ہو گا چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں گی۔ دل خوف سے دھڑک رہے ہوں گے اس وقت لوگوں کے ایمان یا کفر، خلوص یا نفاق کو آشکارا کرنے کے لئے انہیں حکم دیا جائے گا کہ آؤ سب اپنے رب کو سجدہ کرو۔ جن کے دلوں میں بیان اور اخلاص ہو گا وہ فورا سر بسجود ہو جائیں گے۔ لیکن کافر اور منافق بہت زور لگائیں گے کہ سجدہ کریں اور خون لگا کر شہیدوں میں شامل ہو جائیں مگر ان کی کمر اکڑ جائے گی بڑی کوشش کے باوجود سجدہ نہ کر سکیں گے۔ اس رسوائی پر ان کی آنکھیں جھک جائیں گی۔ سب کے سامنے ان کے کفر اور نفاق کو ظاہر کر دیا گیا۔ ان کے کھوکھلے دعووں کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ گیا ذلت ورسوائی کی گرد ان کے چہروں پر پڑ رہی ہو گی۔[50]

[50] الازہری، محمد کرم شاہ، پیر، تفسیر ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، 2005، ج:1، ص:312

Azhari, Muhammad Karam Shah, Pir. *Tafsir Zia al-Qur'an*, Zia-ul-Qur'an Publications, Lahore, 2005, Vol. 1, p. 312.

نتائج

1. قرآن کی آیات صفات اور متشابہات کی تشریح میں عقلی اور شرعی اصولوں کی پاسداری لازمی ہے تاکہ توحید کا اصول برقرار رہے۔
2. صفاتِ خداوندی کو انسانی صفات کی طرح نہیں لینا چاہیے بلکہ انہیں خدا کی ذات کے مطابق معنوی اور مخصوص مفہوم میں سمجھنا ضروری ہے۔
3. متشابہات آیات کی تشریح میں تاویل کا استعمال عقل اور نصوص کی روشنی میں جائز ہے تاکہ قرآن کی حرمت اور معنویت برقرار رہے۔
4. معتزلہ، ماتریدیہ اور اشاعرے جیسے مکاتب فکر نے صفاتِ خداوندی کی تشریح کے مختلف نظریات دیے، جو اسلامی کلام کی علمی وسعت کا باعث ہیں۔
5. قرآن کی صفات کو سمجھنے کے لیے سنتِ نبوی اور اہل علم کی روایت کو مد نظر رکھنا فہمِ قرآن کو مستحکم کرتا ہے۔
6. قرآن کی صفات و متشابہات کی آیات کا درست ادراک مسلمانوں کے عقیدے کو مضبوط اور علمی چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے قابل بناتا ہے۔
7. اسلامی فلسفہ اور کلام میں صفاتِ خداوندی کی درست تشریح سے دین کی علمی اور روحانی گہرائی میں اضافہ ہوتا ہے۔
8. صفاتِ خداوندی کی تشریح میں اعتدال پسندی اختیار کرنا ضروری ہے تاکہ نہ تو تشبیہ ہو اور نہ ہی دین کی تشریح غیر عقلانی ہو۔
9. قرآن کے متشابہات آیات کی تشریح فہم و تدبر کا تقاضا ہے، جو علمائے کرام کی کوششوں سے ممکن ہے۔

سفارشات

1. قرآن کی متشابہات اور صفاتِ خداوندی کی آیات کی تشریح کے لیے علماء اور مفکرین کو علمی اور تحقیقی کاموں کو بڑھانا چاہیے تاکہ فہم میں گہرائی آئے۔
2. تعلیم و تدریس کے نصاب میں قرآن کی صفات اور متشابہات کی آیات کے عقلی و شرعی تشریحات کو شامل کیا جائے تاکہ نئی نسل کو مستند علم حاصل ہو۔
3. قرآن کی تشریحات میں تاویل کے اصولوں کو واضح کیا جائے تاکہ عقل و نقل کا توازن قائم رہ سکے اور مذہبی انتہاپسندی سے بچاؤ ممکن ہو۔
4. معتزلہ، ماتریدیہ اور اشاعرے کے مختلف نظریات کا تعارف اور موازنہ علمی محافل اور مدارس میں کیا جائے تاکہ علمی تنوع کا شعور بڑھے۔
5. قرآن و سنت کی روشنی میں صفاتِ خداوندی کی تشریح میں جسمانیت یا تشبیہ سے بچنے کی سخت تاکید کی جائے تاکہ توحید کی اصل حفاظت ہو۔
6. مختلف مکاتب فکر کے علماء کے مابین مکالمہ وتبادلہ خیال کو فروغ دیا جائے تاکہ قرآنی آیات کی فہم میں اختلافات کا تعمیری حل نکل سکے۔
7. مسلمانوں کو قرآن کی آیات کی تشریح میں عقل و علم کی اہمیت سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ علمی چیلنجز کا مؤثر مقابلہ کر سکیں۔
8. جدید دور کے فکری مسائل کے حل میں قرآن کی صفات و متشابہات کی آیات کی تشریح کو بروئے کار لانے کے لیے بین الاقوامی تحقیقی اداروں کی حمایت کی جائے۔
9. قرآن کی آیات کی تشریح میں زبان، ثقافت اور دور کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک متوازن اور جامع نقطہ نظر اپنانا چاہیے۔
10. فقہی، کلامی اور فلسفیانہ زاویوں سے قرآن کی صفات و متشابہات کی آیات پر گہرائی سے روشنی ڈالنے کے لیے ورکشاپس، سیمینارز اور علمی کانفرنسز کا انعقاد کیا جائے۔

خلاصہ

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام ہے جو صفاتِ خداوندی کے بارے میں متعدد آیات بیان کرتا ہے۔ ان آیات میں بعض متشابہات شامل ہیں جن کا ظاہری مفہوم عقل سے ماوراء ہوتا ہے، جس کی وجہ سے ان کی تشریح میں مختلف مکاتب فکر نے مختلف آراء پیش کی ہیں۔ معتزلہ، ماتریدیہ اور اشاعرے جیسے مکاتب نے ان آیات کی تشریح میں عقلی اصولوں اور تاویل کو بنیاد بنایا تاکہ توحید کے اصولوں کی حفاظت ہو سکے۔ قرآن کی صفات و متشابہات کی آیات کا صحیح محمل سمجھنا دین کے بنیادی عقائد کی درست تفہیم کے لیے ناگزیر ہے۔ علمی تحقیق، متوازن تفسیر، اور مکاتب فکر کے مکالمے کے ذریعے اس موضوع پر روشنی ڈالنا مسلمانوں کی فکری رہنمائی اور علمی ترقی کے لیے نہایت اہم ہے۔

مصادر و مراجع

1. ابن عاشور، محمد الطاهر۔ تفسیر التحریر والتنویر. تونس: دار الکتب التونسیۃ،1984۔
2. الطبری، محمد بن جریر۔ جامع البیان عن تأویل آیات القرآن. بیروت: دار صادر،1995۔
3. القرطبی، محمد بن احمد۔ الجامع لأحکام القرآن. قاہرہ: دار التفوق،1999۔
4. غزالی، ابو حامد محمد۔ الاقتصاد في الاعتقاد. بیروت: دار المعارف،1963۔
5. الجوینی، ابو محمد عبد اللہ۔ الشفا بتعریف حقوق المصطفی. بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1997۔
6. الشاطبی، ابی اسحاق۔ الموافقات في أصول الشریعۃ. بیروت: دار المکتب الاسلامی، 1999۔
7. الامام الغزالي، ابو حامد محمد۔ مقاصد الفلسفۃ في شرح أسماء اللہ الحسنی. لاہور: دار الکتب العلمیہ، 2002۔
8. ابن تیمیہ، تقي الدین۔ منہاج السنۃ النبویۃ. بیروت: دار الفکر،2000۔
9. الرازی، فخر الدین۔ التفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب)۔ بیروت: دار المأمون،2005۔
10. الصفدی، عمر۔ الأعلام بمصطلح أهل الإسلام. بیروت: دار صادر،1998۔
11. الطبقات، ابن سعد۔ الطبقات الکبری. بیروت: دار صادر،1999۔
12. سید قطب۔ في ظلال القرآن. القاہرۃ: دار الشروق،2007۔
13. مارٹن لینس، ویلفریڈ۔ تاریخ الفکر الاسلامی. ترجمہ: ڈاکٹر محمد ابو الفضل، لاہور: ادارہ فکر اسلام،2010۔
14. محمد رشید رضا۔ تفسیر المناہل العذبۃ. کراچی: مکتبہ رشید، 1987۔
15. عبد القادر سندھی۔ عصر حاضر میں معتزلہ کا مقام. کراچی: ادارہ فکر اسلام،2001۔

Bibliography

1. Ibn Ashur, Muhammad al-Tahir. Tafsir al-Tahrir wa al-Tanwir. Tunis: Dar al-Kutub al-Tunisiyya, 1984.
2. Al-Tabari, Muhammad ibn Jarir. Jami‘ al-Bayan ‘an Ta’wil Ay al-Qur’an. Beirut: Dar Sader, 1995.
3. Al-Qurtubi, Muhammad ibn Ahmad. Al-Jami‘ li Ahkam al-Qur’an. Cairo: Dar al-Tafawuq, 1999.
4. Al-Ghazali, Abu Hamid Muhammad. Al-Iqtisad fi al-I‘tiqad. Beirut: Dar al-Ma‘arif, 1963.
5. Al-Juwayni, Abu Muhammad Abdullah. Al-Shifa bi Ta‘rif Huquq al-Mustafa. Beirut: Dar al-Kutub al-‘Ilmiya, 1997.
6. Al-Shatibi, Abu Ishaq. *Al*-Muwafaqat fi Usul al-Sharia. Beirut: Dar al-Maktab al-Islami, 1999.
7. Imam Al-Ghazali, Abu Hamid Muhammad. *Maqasid al*-Falsafa fi Sharh Asma’ Allah al-Husna. Lahore: Dar al-Kutub al-‘Ilmiya, 2002.
8. Ibn Taymiyyah, Taqi al-Din. Minhaj al-Sunnah al-Nabawiyyah. Beirut: Dar al-Fikr, 2000.
9. Al-Razi, Fakhr al-Din. Tafsir al-Kabir (Mafatih al-Ghayb). Beirut: Dar al-Ma’mun, 2005.
10. Al-Safadi, Umar. Al-A‘lam bi Mustalah Ahl al-Islam. Beirut: Dar Sader, 1998.
11. Ibn Sa‘d. *Al-Tabaqat al-Kubra*. Beirut: Dar Sader, 1999.
12. Sayyid Qutb. Fi Zilal al-Qur’an. Cairo: Dar al-Shorouk, 2007.
13. Martin Lings, Wilfred. A History of Islamic Philosophy. Translated by Dr. Muhammad Abu al-Fadl. Lahore: Idara Fikr-e-Islam, 2010.
14. Muhammad Rashid Rida. Tafsir al-Manahil al-‘Udhba. Karachi: Maktabah Rashid, 1987.
15. Abdul Qadir Sindhi. Asr-e-Hazir Mein Mu'tazila Ka Maqam. Karachi: Idara Fikr-e-Islam, 2001.